~~~ ترکی کے مردِ مجاہد ~~~

بدیع الزّماں کی شخصیّت و دعوت

ترکی کی اسلامی تحریک اور الحاد و دین کی کشمکش کی داستان

تصنیف: محمد سعید رمضان البوطی — ترجمہ: خلیل حامدی

[ذیل کے صفحات میں ترکی کے مجاہد اعظم بدیع الزمان نورسی کے حالاتِ زندگی اور شخصیت و دعوت کا ایک طائرانہ خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ مصطفیٰ کمال کی تحریکِ الحاد کے مقابلے میں بدیع الزمان نورسی نے جو دینی خدمات سرانجام دی ہیں اُن سے باہر کے لوگ اکثر و بیشتر ناواقف ہیں۔ اس طویل مضمون کو ترجمان القرآن کے صفحات میں نقل کرنے سے مقصد یہ ہے کہ پاکستان کا اسلام پسند طبقہ ترکی میں احیاء اسلام کی کوششوں سے واقف ہونے کے ساتھ ترکی کے مردِ مجاہد کے کارناموں سے سوز دروں بھی حاصل کرے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ مضمون داعیانِ حق کے اندر دین کی محبت ایمان کی حرارت اور دعوت کے جذبہ و شوق میں اضافہ کرے گا۔ یہ مضمون شام کے نامور رسالہ "حضارۃ الاسلام" سے لیا گیا ہے۔ خ - ح]

اگر علمائے اسلام کے تصوّر کے بموجب سنتِ الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اندر مختلف وقفوں کے بعد ایسی ہستیاں وجود میں آتی رہیں جو دینِ حق کی تجدید کا فرض انجام دیں اور مسلمانوں کے اندر جہاد اور اقامتِ دین کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کر دیں تو بلاشبہ اس تصوّر کی رو سے بدیع الزمان نورسی ایک مجدد تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ترکی میں کمال اتاترک کے عہد میں امتِ مُسلمہ کو عطا فرمایا تھا۔ بدیع الزماں اتاترک کے مقابلے میں اسلامی جہاد کے نقیب تھے اور ان کی ذات اُن لاکھوں مسلم نوجوانوں کے لیے مرکز و محور بنی رہی جنہوں نے کمالی استبداد کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اتاترک مصطفیٰ کمال مدت ہوئی مر چکا مگر بدیع الزمان کے پیروؤں کی تعداد تا ایں دم دن دگنی اور رات چوگنی بڑھ رہی ہے۔
~~~

تقریباً ۳ سال قبل جب بدیع الزمان کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت حالت یہ تھی کہ ان کے پیرو ترکی کے گوشے گوشے سے حکومت کے دروازوں کو کھٹکھٹا رہے تھے۔ مگر امریکہ نے بڑھ کر فوراً حالات پر قابو پالیا اور ملکی فضا کا پانسہ یکسر بدل کر نظامِ حکومت از سرِ نو کمالی گروہ کے ہاتھ میں دینے کے انتظامات کر دیئے۔ لیکن اس سازش کے باوجود بدیع الزمان کے پیرو اور ان کے وفا شعار شاگرد تا ہنوز اسلامی انقلاب کے لیے اپنی قوتوں کو جمع کرنے میں مصروف ہیں اور اس مقصدِ اعلیٰ و ارفع کے لیے وہ تعلیم و صحافت کے میدان میں کام کر رہے ہیں اور فوجی تربیت کے اصول و ضوابط میں دستگاہ حاصل کر رہے ہیں۔

پیدائش اور زندگی کے ابتدائی حالات بدیع الزمان نورسی ۱۸۷۳ء (۱۲۹۳ھ) میں صوبہ بدلیس کے ضلع ھیزان میں ایک چھوٹی سی بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدین کردی الاصل تھے۔ ۹ سال کی عمر میں آپ نے اپنے بڑے بھائی ملا عبداللہ کی ترغیب سے حصولِ علم کی طرف توجہ کی۔ اور اردگرد کے متعدد مدارس میں علم کی تلاش میں سفر کیے۔ ۱۸ برس کو پہنچے ہی تھے کہ آپ کا شمار اکابر علماء میں ہونے لگا۔ اس مختصر سے عرصہ میں آپ کو علومِ لغت، علومِ عقلیہ، علومِ قرآن اور اصول فقہ میں پوری دستگاہ حاصل ہو گئی۔ اور اہلِ وطن پر آپ کے بے پناہ حافظے اور حیرت انگیز فہم کا انکشاف ہوا۔ آپ کو مقاماتِ حریری کامل حفظ تھی، المحیط (ڈکشنری) کو حرفِ سین تک یاد کر رکھا تھا۔ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب جمع الجوامع ایک ماہ کے اندر دماغ میں اتار لی تھی۔ علماء اور طلبہ کی مجلسوں میں آپ کا عام چرچا ہونے لگا اور وہ آپ کو "سعیدی مشہور" کے لقب سے پکارنے لگے۔

آپ کی علمی شہرت اور بے پناہ صلاحیت نے اہلِ علم کی کثیر تعداد کے دلوں میں حسد اور رقابت کے جذبات مشتعل کر دیئے اور وہ آپ کو طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالنے لگے اور آپ کے خلاف حکام اور امراء کے کان بھرنے لگے۔ لیکن آپ کی علمی وسعت اور آپ کا انتہائی خاکسارانہ مزاج ہر موقع پر آپ کو ان کے منصوبوں اور سازشوں سے بچاتا رہا۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ آپ کو اذیت دینے کی اسکیم بنا کر آئے۔ آپ ان کے ارادہ کو فوراً بھانپ گئے اور کہا: "مجھے بے شک مار ڈالیں . . . لیکن میری درخواست ہے کہ علم کے مرتبہ و منصب کو ذلیل نہ کریں"۔ صوبہ سعرت کا والی آپ کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے جب اس

واقعہ کو سنا تو ایسے بدخواہوں کو سزا دینے کا فیصلہ کیا مگر بدیع الزمان نے اس فیصلے کی مخالفت کی اور والی سے کہا: "ہم لوگ طالب علم ہیں، آپس میں لڑتے جھگڑتے بھی ہیں اور رضامند بھی ہو جاتے ہیں، مَیں مناسب نہیں سمجھتا کہ ان کے معاملات میں وہ شخص دخل دے جو ان میں سے نہیں ہے۔ نیز اس قضیے میں قصور میرا تھا۔" بدیع الزمان کے یہ الفاظ جب زبان سے نکل رہے تھے تو اس وقت موصوف کی عمر ۱۶ سال سے زیادہ نہ تھی۔

سعید نورسی نے اپنی زندگی کا آغاز زہد و تقشّف اور فلسفہ و حکمت میں انہماک سے کیا۔ یہ راستہ جسے موصوف نے آغاز شباب ہی میں منتخب کر لیا تھا اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف کا مزاج اور ذہن دونوں ان باتوں سے مبرّا تھے جو عام طور پر دورِ شباب میں ہر انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اور یہ اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ان کے فہم و فکر اور ذوق و طبع پر شروع ہی سے کچھ دوسرے اہم امور و مسائل چھائے ہوئے تھے۔

موصوف نے ایامِ شباب ہی سے اس حدیثِ نبویؐ کو دستورِ حیات بنا رکھا تھا کہ "دَعْ مَا یریبك الی ما لا یریبك" (مشتبہ بات کو چھوڑ کر، وہ بات اختیار کرو جس میں کوئی شبہ نہ ہو) اس طرزِ عمل نے زندگی کے تمام معاملات میں موصوف کو انتہائی متورّع اور محتاط بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ اگر انہیں ایسی خوراک میسر نہ آتی جو ہر شک و شبہ سے پاک ہو تو وہ گھاس اور سبزیوں سے شکم پُری کر لیتے۔ موصوف کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے کھانے میں سے ضرور کچھ نہ کچھ چیونٹیوں کے لیے چھوڑ دیتے۔ ایک مرتبہ جب اُن سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو کہنے لگے: "یہ میں اس مخلوق کی حیرت انگیز تنظیم اور اس کی عجیب و غریب جمہوریت پسندی کا صلہ دیا کرتا ہوں۔" موصوف مشہور کُرد شاعر شیخ احمد خانی کی قبر کے پاس طول اقامت اور خلوت گزینی کے بڑے دلدادہ تھے۔ قبر کے نواح کی تاریکی اور وحشت کے باوجود وہ گھنٹوں وہاں محوِ استغراق رہتے۔

شجاعت و حق گوئی اس تقشف پسندی کے ساتھ ساتھ موصوف جسمانی طور پر بھی بڑے قوی ہیکل اور شہ زور تھے۔ مختلف ہتھیاروں کے استعمال کے شائق تھے، نشانہ بازی اور گھڑ سواری محبوب مشغلہ تھا اور آپ نہایت اعلیٰ فوجی اسپرٹ سے بہرہ مند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حیرت انگیز شجاعت سے

نواز رکھا تھا۔ چنانچہ کم سنی کے باوجود آپ کسی مخلوق کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایام جوانی میں قبیلہ میرا کے سردار کے پاس گئے۔ سردار کا نام مصطفیٰ پاشا تھا۔ اور وہ بڑا ستمگر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کرنے میں دلیر تھا۔ پاشا نے جب آپ کو دیکھا تو فوراً بول اٹھا: "یہاں کیسے آیا ہے؟" بدیع الزمان نے بلا خوف وخطر جواب دیا: "تیری ہدایت کے لیے آیا ہوں۔ یا تو تُو حق بات سن اور اُس کی اطاعت کر اور یا پھر میں تیرا کام تمام کر دوں گا"۔ پاشا کی مارے غصے کے رگیں پھول گئیں اور بدیع الزمان کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر کہنے لگا: "اس ردی تلوار سے تو مجھے قتل کرے گا؟" بدیع الزمان نے کہا: "کاٹنے والی تلوار نہیں ہوگی، کاٹنے والا میرا ہاتھ ہوگا"۔ پاشا نے غضبناک ہو کر کہا: "اس جزیرے کے اندر میرے پاس علماء کا گروہِ کثیر رہتا ہے۔ اگر تو اپنی رائے اُن سے منوا لے تو میں تیری باتوں کو تسلیم کر لوں گا ورنہ میں تجھے دریائے فرات کی نذر کر دوں گا"۔ بدیع الزمان نے جواب دیا: "یہ میری ذمہ داری نہیں کہ میں تمام علماء کو اپنی کسی رائے کا پابند کر سکوں۔ اور نہ تیری یہ شرط درست ہے کہ اگر وہ تسلیم نہ کریں تو مجھے دریا میں پھینک دیا جائے۔ البتہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر میں نے علماء کے سوالوں کا صحیح جواب دے دیا تو اس کے صلہ میں تُو اپنی بندوق میرے حوالے کر دے۔ پھر اگر تو نے میری نصیحت نہ قبول کی تو اُسی بندوق سے تیری خبر لے ڈالی جائے گی"۔

مصطفیٰ پاشا نے تمام علماء کو جمع کیا۔ باہم بحث ومذاکرہ ہوا اور آخر کار میدان بدیع الزمان کے ہاتھ رہا۔ پاشا نے بدیع الزمان کے علم وبصیرت اور حق پرستی کو دیکھ کر توبہ کی اور ان کا حلقہ بگوش ہو گیا۔

سیاسی زندگی کا آغاز سعید نورسی نے سیاسی زندگی کا آغاز ۲۰ سال کی عمر میں کیا۔ اور صوبہ ماردین میں پہلی مرتبہ اس میدان میں اُترے جہاں موصوف نے ملکی معاملات کے بارے میں حکومت پر پوری صراحت وجرأت کے ساتھ تنقید کی۔ ماردین کے گورنر نے جب آپ کی بے باک طبیعت اور تند وتیز تنقید کو دیکھا تو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر موصوف کو بدلیس میں جلاوطن کر دیا۔ وہاں پہنچے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بدلیس کے حاکم اور بدیع الزمان کے درمیان انتہائی دوستانہ تعلقات

استوار ہو گئے اور موصوف بدلیس میں جلاوطنی کی تکلیفوں کے بجائے بڑے آبرو مندانہ طریقے سے رہنے لگے۔

بدیع الزمان نے اوائلِ حیات ہی میں طبیعیاتی علوم کی اہمیت و ضرورت کو محسوس کر لیا چنانچہ تمام مصروفیتوں کے ہجوم میں آپ نے پورے انہماک و مشقت کے ساتھ ان علوم کا مطالعہ شروع کیا اور مختصر عرصہ کے اندر تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات، جیولوجی اور قدیم اور جدید فلسفہ اور بعض غیر ملکی زبانوں کے اندر مہارت حاصل کر لی۔ موصوف کا یہ بے مثال کمال ملک بھر کے اخبارات و رسائل تک شہرت پکڑ گیا اور اس کا عام چرچا ہونے لگا۔ اس کے بعد ملک بھر کے علماء نے آپ کو بالاتفاق "بدیع الزمان" کا لقب دیا۔

سیاسی ذوق کی بنا پر آپ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ صبح کے وقت پابندی سے اخبارات کا مطالعہ کرتے۔ ایک روز آپ نے یہ خبر پڑھی کہ برطانیہ کے وزیرِ نوآبادیات نے ایک خصوصی میٹنگ میں یہ کہا ہے کہ: "جب تک مسلمانوں کے پاس قرآن موجود ہے، وہ ہمارے راستہ میں روڑے اٹکاتا رہے گا اس لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کتاب کو مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل کیا جائے۔" اس خبر کو پڑھ کر بدیع الزمان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور موصوف نے اُسی وقت اپنے ساتھیوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ برطانوی وزیر کے ناپاک ارادوں کے علی الرغم میں اپنی تمام زندگی قرآن کی خدمت اور اس کے اعجاز اور اسرار بیان کرنے میں صرف کروں گا۔

اس اعلان کے بعد موصوف نے استنبول کا قصد کیا اور وہاں "زہراء" کے نام سے جامع ازہر کے پایہ کی ایک درسگاہ کی داغ بیل ڈالنے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ موصوف نے استنبول میں قدم رکھا ہی تھا کہ وہاں کے اخبارات نے آپ کی آمد کا چرچا شروع کر دیا۔ ایک اخبار نے لکھا: "استنبول کے افق پر ایک ایسے انسان کا طلوع ہوا ہے جو فہم و ذکا کا شعلۂ جوالہ ہے۔"

شیخ الازہر سے ملاقات: اتفاق کی بات ہے کہ انہی ایام میں ازہر کے ریکٹر شیخ بخیت سیاحت و تفریح کی غرض سے استنبول وارد ہوئے۔ بدیع الزمان کے ساتھ اُن کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور دونوں کے

درمیان متعدد مجالس میں مختلف مسائل پر طویل گفتگوئیں ہوئیں۔ ایک مرتبہ شیخ بخیت نے بدیع الزمان سے سوال کیا: "خلافتِ عثمانیہ اور یورپی اقوام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے"؟

بدیع الزمان نے عربی زبان میں جواب دیا:

"یورپ کو آج اسلام کا حمل ٹھیر چکا ہے، کسی روز وہ اسے جنے گا اور خلافتِ عثمانیہ کو تہذیب یورپ کا حمل ٹھیر چکا ہے۔ کسی روز وہ اُسے جنے گی"۔

شیخ بخیت بڑی حیرت سے بولے کہ ایسے نوجوان کے ساتھ بحث و مناظرہ نہیں ہو سکتا۔ ایسا مختصر، بلیغ اور صحیح جواب بدیع الزمان جیسا شخص ہی دے سکتا ہے۔

انجمن اتحاد و ترقی سے جنگ ۱۹۰۸ء میں محمد شاہ کی تحریک حریت اور انجمن اتحاد و ترقی وجود میں آئی۔ اس تحریک نے بظاہر دین کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا مگر بباطن وہ یہودیت اور فری میسن کی خباثت سے پُر تھی۔ بدیع الزمان نے حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر بلا تاخیر اس کے مقابلے میں "اتحادِ محمدی" کے نام سے ایک اسلامی جماعت کی داغ بیل ڈال دی۔ اتحاد محمدی کو تھوڑے ہی عرصہ میں اس قدر فروغ ہوا کہ آن کی آن میں دولتِ عثمانیہ کے اطراف و دیار سے ہزاروں لوگ اس میں شامل ہو گئے۔

بدیع الزمان نے انجمن اتحاد و ترقی کے مقابلہ کے لیے جو طریق کار اختیار کیا ہے اُس میں موصوف کی سیاسی بصیرت و تدبر اور معاملہ فہمی کی قوت پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ موصوف نے دیکھا کہ انجمن اتحاد و ترقی کے لیڈروں کے ساتھ کھلم کھلا جنگ مفید و موثر نہیں رہے گی، کیونکہ سادہ لوح مسلمان اور مشایخ کا ایک گروہ اتحادیوں کے ظاہری لبادے اور دینداری کے فریب میں آچکا ہے۔ اس لیے نفاق پرست انجمن سے علی الاعلان برسرِ پیکار ہو جانے کو سادہ لوح لوگ اسلام کے ساتھ جنگ سمجھیں گے۔ چنانچہ بدیع الزمان نے اتحادِ محمدی کا بھی وہی نظریہ قرار دیا جسے اتحادیوں نے اختیار کر رکھا تھا یعنی حریت و استقلال۔ مگر ساتھ ساتھ اس اضافے پر بھی اصرار شروع کر دیا کہ یہ حریت اسلامی قانون اور اسلام کے اصول و عقیدہ کے تحت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد موصوف برابر پوری قوت و جرأت کے ساتھ اپنے مسلک کی تائید میں انقلاب انگیز مضامین شائع کرتے رہے۔ موصوف تنبیہ و انذار کے

لہجے میں برملا کہا کرتے تھے "اگر ہم نے اس حریت کو اختیار نہ کیا جس کا راستہ اسلام نے تجویز کیا ہے تو استبداد اور استعباد (غلامی) کی دو بڑی بلائیں ہم پر مسلط ہو جائیں گی اور ہم بہت جلد خود حریت کی بھینٹ چڑھ جائیں گے"۔ ان حالات میں جب کہ اتحادی لیڈر بدیع الزمان پر کسی الزام میں ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے، کیونکہ بدیع الزمان بھی اُن کے نعرہ و مقصد کے ہمنوا تھے، بدیع الزمان نے کام کا جو اسلوب اختیار کیا، درحقیقت وہی ایک ایسا راستہ ہو سکتا تھا جس کے ذریعے وہ لوگوں کو اُس خطرے سے آگاہ کر سکتے تھے جو اتحادی لیڈروں کے دماغ میں پل رہا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ بدیع الزمان اپنے نعرہ و مقصد سے علی الفور ملک میں ایک اسلامی محاذ کی تشکیل کرنا چاہتے تھے اور اتحادی لیڈر اپنی دینداری کو اسلام کی قوت کو شل کرنے کے لیے اور اسلام کے بجائے تورانی قومیت کو قائم کرنے کے لیے استعمال کر رہے تھے۔

بدیع الزمان کی دعوت نے فری میسن کے حلقوں میں ہلچل ڈال دی کیونکہ یہی لوگ درحقیقت اتحادی تحریک کے پشت پناہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے صدر قرصو کو جو بہت بڑا یہودی سرمایہ دار تھا بدیع الزماں کے پاس تبادلۂ خیالات کے لیے بھیجا۔ لیکن یہ شخص بدیع الزمان کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آ گیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: "یہ عجیب و غریب شخص تو اپنی باتوں سے مجھے اسلام کی طرف لے چلا تھا"۔ قرصو وہ پہلا یہودی سرمایہ دار ہے جس نے خلافتِ عثمانیہ کو زیر و زبر کرنے اور سلطان عبدالحمید کو معزول کرنے اور فلسطین کو غصب کرنے کے لیے تاریخ میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔

<u>بدیع الزمان پر پہلا مقدمہ</u> اتحادی لیڈروں کو بدیع الزمان کی دعوتِ اسلامی کو روکنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ بدیع الزمان پر ہاتھ ڈالیں۔ چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۹۰۹ء کو ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس کی آڑ میں بدیع الزماں اور دوسرے متعدد مسلمان گرفتار کر لیے گئے۔ ان میں سے ۱۹ مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ اور بدیع الزماں کو بھی ہراساں اور خوف زدہ کرنے کے لیے اُسی عدالت میں پیش کیا گیا جس نے ان ۱۹ افراد کو موت کی سزا دی تھی۔ دورانِ مقدمہ عدالت کے صدر خورشید پاشا نے ۱۵ آدمیوں کو موت کا فیصلہ سنانے کے بعد بدیع الزماں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: کیا آپ بھی اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں؟" اور اس کے بعد بدیع الزماں سے مطالبہ کیا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔

بدیع الزمان اٹھے اور انہوں نے عدالت کے روبرو ایک پُر اثر تقریر کی۔ اگر صفحات کی تنگی حارج نہ ہوتی تو ہم قارئین کے سامنے پُوری تقریر نقل کر دیتے تاہم اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں :

"اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں تو میں انہیں اسلام کے لا متناہی حقائق میں سے ایک حقیقت پر بھی قربان کر دینے میں پس وپیش نہ کرتا۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تو ایک طالب حق ہوں۔ میں ہر چیز کو شریعت کی میزان میں تولوں گا۔ میں ایسی کسی بات کو تسلیم نہیں کروں گا جو اسلام سے خارج ہو۔ میں اس وقت اس برزخ کے سامنے، جسے تم لوگ جیل کہتے ہو، کھڑا ہوں اور اس گاڑی کے انتظار میں ہوں جو مجھے آخرت کی جانب لے جاتے۔ اور میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں یہ اس لیے نہیں کہ صرف تم اسے سُن لو بلکہ اس لیے کہ یہ تمام دنیا کے علم میں آجائے۔"

"وقت آگیا ہے کہ اسرار منکشف ہو جائیں اور دل کی گہرائیوں سے باہر آجائیں پس جو غیر محرم ہے وہ ان کی طرف نہ دیکھے۔"

"میں سفرِ آخرت کے لیے پُورے شوق کے ساتھ تیار کھڑا ہوں۔ اور ان لوگوں کی معیت کے لیے حاضر ہوں جو سولی پر چڑھائے جا چکے ہیں۔ تم اس بدوی کا تصور کرو جسے استنبول کی باتیں سُن سُن کر استنبول دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ مجھے بھی اس بدوی کی طرح آخرت میں پہنچنے کا شوق ہے تم لوگوں کا مجھے جگہ جگہ جلا وطن کر دینا کوئی سزا نہیں ہے۔ اگر تمہارے اندر استطاعت ہے تو میرے افکار کو سزا دو۔"

"حکومت عہدِ استبداد میں عقل کی دشمن تھی اور اب زندگی کی دشمن ہے۔ اگر حکومت کا یہی رنگ ڈھنگ رہا تو پھر اسے جنون زندہ باد، اسے موت زندہ باد، اور ظالموں کے لیے جہنم زندہ باد۔"

"تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا تو "اتحادِ محمدیؐ" میں شامل ہے؟ میں کہتا ہوں "ہاں مجھے فخر ہے کہ میں اس کا ایک حقیر فرد ہوں۔ لیکن کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ پاگلوں اور بیوقوفوں کے

سوا کون لوگ اتحادِ محمدی سے باہر ہیں ؟"

"میرا دوسرا جرم یہ ہے کہ میں نے الحاد اور ماسونیت کے علمبردار اخبار نویسوں پر تنقید کی ہے اور ان کا جواب دینے کی جرأت کی ہے ۔ اور ان کو بتایا ہے کہ ادیب کو اپنی دعوت میں بھی ادیب ہونا چاہیے ۔ خاص طور پر جب کہ اُسے قوم کے کان اور قوم کی زبان ہونے کی حیثیت حاصل ہو ۔ اور میں اب کہتا ہوں کہ جس طرح ایک باوقار بوڑھے کو بچیوں کا لباس زیب نہیں دیتا اسی طرح استنبول کو یورپ کے اخلاق اور یورپ کی بود و باش زیب نہیں دیتی ۔"

اخبارات نے ہاتھوں ہاتھ بدیع الزمان کے اس بیان کو لیا جو دس فل اسکیپ سے زائد تھا ۔ اور ہر حلقے میں اسے پڑھا جانے لگا ۔ ہزاروں مسلمان جن میں بدیع الزمان کے پیرو بھی تھے اور دوسرے بھی عدالت کی عمارت کے اردگرد جمع ہو گئے ۔ اور بآوازِ بلند نعرے لگانے لگے : "ظالموں کے لیے جہنم ، زندہ باد ! اور تخریب پسند اور وطن دشمن مردہ باد !" نتیجہ یہ ہوا کہ اس مردِ مجاہد کو کچھ مدت کے لیے حوالۂ زنداں کر دیا گیا ۔ مگر بعد میں بہت جلد ان کی رہائی عمل میں آگئی ۔ اس کے بعد بدیع الزمان زیادہ دیر تک استنبول میں اقامت پذیر نہ رہے ، بلکہ وآن چلے گئے اور تعلیم و تدریس ، وعظ و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے ۔

فوج میں رضاکارانہ شمولیت | جب پہلی عالمی جنگ کا آغاز ہوا تو بدیع الزمان رضاکارانہ طور پر فوج میں شامل ہو گئے اور اونچے فوجی عہدہ پر متعین ہوئے ۔ آپ کا معمول تھا کہ ایامِ جنگ میں شام کے وقت اپنے کیمپ میں واپس آجاتے ۔ آپ کے اردگرد طلبہ کا مجمع لگ جاتا اور آپ قرآنِ کریم کا درس دیتے ۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ موصوف نے انہی ایام میں اپنی بہترین کتاب "اشارات الاعجاز" تالیف کی ہے ۔ موصوف کی عربی زبان میں یہ پہلی تصنیف ہے ۔

روسی فوجیوں کے ہاتھ میں گرفتاری | دورانِ جنگ میں بدیع الزمان روسی فوجوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے ۔ آپ قیدیوں کے کیمپ میں تھے کہ ایک روز ایک روسی کمانڈر کیمپ میں داخل ہوا ۔ اُسے دیکھ کر

تمام قیدی کھڑے ہو گئے مگر بدیع الزمان نے اس کی طرف نگاہ تک نہ اٹھائی کمانڈر نے موصوف کی جانب دیکھ کر کہا: "شاید تم مجھے نہیں پہچانتے"۔ بدیع الزمان نے جواب دیا: "میں پہچانتا ہوں تمہیں نکوس کہا جاتا ہے"۔ کمانڈر نے کہا: "اگر تم نے جانتے بوجھتے یہ حرکت کی ہے تو تم نے عظمت روس کی توہین کی ہے"۔ بدیع الزمان نے کہا: "یہ بات نہیں ہے بلکہ جس خدا پر میرا ایمان ہے اُس کا فیصلہ ہے کہ اہلِ ایمان دوسروں سے برتر ہوں۔ اور یہی چیز میرے قیام میں مانع ہے"۔ اس گستاخی کی پاداش میں بدیع الزماں کو ملٹری کورٹ کی طرف سے موت کی سزا سنائی گئی۔ اور جب آپ کو پھانسی کے تختہ پر لے جایا گیا تو یکایک وہی کمانڈر آگے بڑھا اور آپ سے کہنے لگا: "میں تیرے اس دین کا احترام کرتا ہوں جس نے تجھے اس حد تک خوددار بنا دیا ہے"۔ اور آپ کی سزا معاف کر دی۔

ایامِ اسیری میں آپ کو سائبیریا منتقل کر دیا گیا۔ جہاں آپ طویل عرصہ تک رہے اور سخت برفی کی اذیتیں جھیلتے رہے۔ لیکن حسنِ اتفاق کہ آپ سائبیریا سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور بڑے کٹھن سفر کے بعد جرمنی، وی آنا اور بلغاریہ ہوتے ہوئے استنبول پہنچے۔

انگریزوں سے جھڑپ پہلی جنگِ عظیم کے خاتمہ کے بعد ۱۹۱۸ء میں استنبول پر انگریزوں نے تسلط قائم کر لیا۔ چنانچہ انگریزوں نے . . . . اسلام کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کرنے کی خاطر انگلیکن چرچ کی وساطت سے ترکی کے شیخ الاسلام کی طرف ۶ سوالات بھیجے۔ شیخ الاسلام نے یہ چھ سوال بدیع الزمان کی طرف بھیج دیئے اور انگریزوں کے مطالبہ کے مطابق ۶ سو الفاظ میں ان کا جواب دینے کی درخواست کی۔ بدیع الزمان نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ "ان سوالات کا ۶ سو الفاظ میں یا ۶ الفاظ میں یا ایک لفظ میں جواب نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ سوال کرنے والوں کے منہ پر ایک ہی مرتبہ تھوک دینا ان کا واحد جواب ہے"۔ انگریز اس جواب پر بھڑک اٹھے اور آپ کو موت کی سزا سنائی گئی جو بعد میں اناضول کے ہنگاموں کی وجہ سے منسوخ کر دی گئی۔

بدیع الزماں اور مصطفیٰ کمال میں اختلافات کا آغاز جب اناضول کی بغاوت کامیاب ہو گئی تو مصطفیٰ کمال نے جو بغاوت کی تحریک کا سربراہ تھا، ۱۹۲۰ء میں بدیع الزمان کو اعزاز و تکریم کے ساتھ

انقرہ بلوایا۔ اور جشنِ آزادی میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ بدیع الزمان جب انقرہ پہنچے تو یکایک ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور انہوں نے مصطفیٰ کمال کے اندر اسلامی شریعت کے خلاف عداوت و بغض کو صاف محسوس کر لیا چنانچہ جشنِ آزادی میں مصطفیٰ کمال نے جس تقریب کا اہتمام کر رکھا تھا موصوف نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بلکہ چند ہی روز بعد انقرہ سے واپس چلے گئے اور ایک طویل بیان پارلیمنٹ کے نمائندوں کے نام بھیجا۔ پارلیمنٹ کا صدر خود مصطفیٰ کمال تھا۔ اس بیان میں بدیع الزمان نے دس نکات پر مشتمل ہدایات و نصائح ایوان کے ممبروں کو تلقین کیں۔ اور بیان کی پیشانی پر یہ جملہ درج کیا: اعلموا ایھا المبعوثون انکم مبعوثون لیوم عظیم "پارلیمنٹ کے ممبرو! یاد رکھو ایک دن تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا ہے"

اسمبلی میں اس بیان کو کاظم قرہ بکر نے پڑھ کر سنایا۔ اور اس کا اس قدر اثر ہوا کہ پارلیمنٹ کے ۶۰ ارکان نے اسی وقت دین کا راستہ اختیار کرنے اور نماز قائم کرنے کا عہد کیا۔ اس صورتِ حال سے مصطفیٰ کمال کے غرورِ نفس کو ٹھیس لگی۔ چنانچہ اُس نے منافقانہ طور پر بدیع الزمان کو اپنے پاس بلوایا اور انہیں ایوانِ نمائندگان میں لے گیا۔ دورانِ بحث مصطفیٰ کمال نے بدیع الزمان سے کہا "بلا شبہ ہم آپ جیسے لائق استاد کے محتاج ہیں۔ ہم نے آپ کے بہترین خیالات سے استفادہ کے لیے آپ کو یہاں بلایا تھا لیکن آپ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نماز کی بات چھیڑ دی۔ اور اس طرح آپ نے ابتدا ہی میں اس ایوان کے اندر تفرقہ اندازی شروع کر دی" بدیع الزمان نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے پُرجوش لہجے میں مصطفیٰ کمال کو جواب دیا: پاشا صاحب، دعوائے اسلام کے بعد سب سے پہلے جو علامت ایک مسلمان کی زندگی میں نمایاں ہوتی ہے وہ نماز ہے۔ جو نماز نہیں پڑھتا وہ باغی ہے اور باغی کی حکومت ناقابلِ تسلیم ہے" یہ جواب سُن کر مصطفیٰ کمال کو نزاکتِ حالات دیکھ کر معافی مانگنی پڑی اور اس بحث کو ختم کرنا پڑا۔

مصطفیٰ کمال کی الحاد پسندی کے باوجود بدیع الزمان کو یہ توقع تھی کہ شاید کمالی حکومت کی تاریکیوں کے اندر سے وہ روشنی کی کوئی کرن پیدا کر سکیں اور حکومت کی کوششوں کا رُخ اسلام کی خدمت کی جانب پھیر سکیں لیکن ان کی یہ توقعات روز بروز ماند ہوتی گئیں اور اسلام کے احیاء کے راستہ میں کاوٹوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوتا رہا۔

مصطفیٰ کمال کی نوازشیں بدیع الزمان مصطفیٰ کمال کو نصیحت کرنے اور اُسے جادۂ اسلام سے انحراف کے نتائجِ بد سے خوف دلانے کے ہر موقع کو نگاہ میں رکھتے رہے۔ لیکن مصطفیٰ کمال نے نشۂ اقتدار میں اُن کی کسی بات کو قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار نہ کیا۔ البتہ مصطفیٰ کمال نے ملک کے اندر بدیع الزمان کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے اپنے قلبی بغض و عناد کے باوجود اُن کے دل کو اپنی جانب مائل کرنے کی کوشش کی۔ آپ کو اناضول کے پورے مشرقی علاقے کا رئیس المبلغین بنا دیا۔ جامعۃ دار الحکمت کی صدارتی کونسل کا ممبر مقرر کر دیا، اور رہائش کے لیے ایک عظیم الشان کوٹھی پیش کی اور ہر تدبیر سے انہیں اپنا مقرب بنانے کی کوشش کی۔ مگر بدیع الزمان نے، جو مصطفیٰ کمال کی ان تمام نوازشوں کا اصل مدعا سمجھتے تھے، ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کیا۔ بلکہ آپ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انقرہ کو چھوڑ کر وان چلے گئے۔ اور آپ نے ارکانِ پارلیمنٹ کی ان تمام درخواستوں کو رد کر دیا جس میں انہوں نے آپ کو انقرہ ترک نہ کرنے پر زور دیا تھا۔ وان جا کر آپ نے حکام اور عامۃ الناس سے الگ تھلگ ایک گوشہ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ ۱۹۲۱ء کا واقعہ ہے۔

بدیع الزمان کے کام کا دوسرا دور یہی تاریخ بدیع الزمان کی زندگی کے دو مختلف و متمایز مرحلوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قرار پا گئی۔ اس کے بعد موصوف اس تاریخ کے مرحلۂ ماقبل کے سعید کو "سعید قدیم" اور مرحلۂ مابعد کے سعید کو "سعید جدید" کے نام سے پکارتے تھے۔ سعید جدید سعید قدیم سے بیشتر امور میں اختلاف رکھتا ہے۔ جن میں سے نمایاں اختلاف سیاسیات میں مشغولیت ہے۔ سعید جدید کی تمنا تھی کہ کاش سعید قدیم سیاست سے کنارہ کش رہتا اور اپنی پوری توانائی قومی تعمیر اور تعلیم و تربیت میں صرف کرتا۔ سعید جدید کی اس رائے کے صحیح ہونے کی سب سے نمایاں دلیل یہ ہے کہ موصوف کا حکمرانوں اور سیاستدانوں سے کنارہ کش ہو جانا پہلے سے زیادہ ان کی صفوں میں ہلچل ڈال دینے کا موجب ہُوا۔ اور آپ کے اس عزم نے ان کے منصوبوں کے جس حد تک تار و پود بکھیرے آپ کی سابق سیاسی مساعی اس حد تک اثر انداز نہ ہو سکی تھیں۔ اس کی تفصیلات ہمیں آئندہ صفحات میں سعید جدید کے حالات زندگی میں معلوم ہوں گی۔

وعظ و ارشاد کی ابتداء | بدیع الزمان نے اپنی زندگی کے دوسرے باب کا افتتاح اس فقرے سے کیا: اعوذ باللہ من الشیطان والسیاستہ (میں شیطان اور سیاست سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں)۔ اس کے بعد اپنی زندگی کے باب جدید کے تمام صفحات انہی کلمات پر مبنی دستور کے تحت رقم کیے۔ آپ نے انقرہ کو ترک کر دیا اور بلدۂ وان میں ایک گوشۂ خمول میں جا بیٹھے۔ حکام اور نمائندگانِ اسمبلی سے الگ تھلگ، سیاست اور سیاستدانوں کے تمام مسائل سے دُور و بیگانہ۔ وہاں آپ ہدایت و ارشاد کے نغمے نوجوانوں کے اندر بکھیرنے لگ گئے اور پڑھے لکھے افراد خاص طور پر آپ کی توجہات کا مرکز بنے۔ آپ کے یہ نغمے اور وعظ رسائل کی صورت میں پھیلتے تھے جنہیں بعد میں "رسائلِ نور" کہا گیا اور ان رسائل کے پھیلانے والوں اور ماننے والوں کو "جماعتِ نور" کے نام سے یاد کیا گیا۔

قرآن کی تفسیر و تشریح | "رسائلِ نور" ۱۳۵ رسائل پر مشتمل ایک سلسلۂ وعظ و ارشاد ہے۔ ان رسالوں میں ان تمام روحانی، نفسیاتی اور عقلی مسائل و مشکلات کا جواب دیا گیا ہے جو نژادِ حاضر کے ذہنوں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان رسالوں کا محور قرآن اور اس کی تفسیر ہے۔ بدیع الزمان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک آیت کی دو تفسیریں بیان کرتے ہیں۔ پہلی تفسیر میں وہ آیت کے ظاہری مفہوم کی توضیح کرتے ہیں اور دوسری تفسیر میں وہ آیت زیرِ بحث کی روشنی میں دلائلِ ایمان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اور اس کے وہ کائناتی اسرار و رموز بے نقاب کرتے ہیں جو عہدِ حاضر اور اس کے تہذیبی رول سے متعلق ہیں۔

رسائلِ نور کی اشاعت کا طریقہ | بدیع الزمان یہ رسائل خود شاذ و نادر ہی لکھتے تھے۔ اس لیے کہ موصوف کو لکھنے کی مشق نہیں تھی۔ وہ وجد و تأثر کی حالت میں اپنے خیالات و افکار کو املاء کراتے تھے اور ان کے شاگرد عجلت کے ساتھ انہیں قلمبند کرتے جاتے تھے۔ عوام الناس کے اندر ان رسائل کی اشاعت و توسیع کی جو کیفیت سامنے آتی ہے وہ ایک خارق العادت اعجوبہ ہے اور اس حرارت کی پردہ کشائی کرتا ہے جو دین کا عقیدہ و تصور اپنے ماننے والوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے اور جس کی بدولت کمزوری قوت میں تبدیل ہو جاتی ہے، بزدلی شجاعت میں بدل جاتی ہے اور کاہلی کے بجائے طبیعت میں جانثار اور سرگرم انقلابی جذبہ اُبھر آتا ہے۔

یہ وہ دَور تھا جب کہ اتاترک کا اصل چہرہ بے نقاب ہو چکا تھا اور اس نے ہر طرح کی دینی سرگرمیوں کو خلافِ قانون قرار دے دیا تھا جن میں سرِفہرست عربی رسم الخط اور عربی زبان کا لٹریچر تھا۔ جماعت نُور نے اپنے استاذ کے رسائل کو پھیلانے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس جماعت کا ہر فرد بالالتزام ہر نئے رسالے کے جتنے نسخے تیار کر سکتا تھا کر لیتا اور جب وہ اُسے قارئین کے درمیان تقسیم کر دیتا تو ان میں سے ہر فرد اپنی جگہ پر اس فرض کو سرانجام دیتا اور اس طرح رفتہ رفتہ یہ رسائل نقل در نقل عام لوگوں کے ہاتھوں تک اس طرح پھیل جاتے جیسے پانی کے ذخیرے میں پتھر پھینک دینے سے سطحِ آب پر باہم پیوستہ دمر لوط دائرے پھیل جاتے ہیں۔ اس طرح یہ رسالے حیرت ناک سرعت کے ساتھ مختلف شہروں اور بستیوں میں اور مختلف حلقوں میں آن کی آن میں بکھر جاتے۔ جماعت نور نے تقریبًا ۲۰ سال تک اسی اسلوب سے رسائلِ نور کو پھیلایا ہے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ہاتھوں نے اس کام میں وہ حیرت انگیز قوت دکھائی ہے جس سے طباعت کی مشینیں بھی عاجز ہیں۔ اور اکثر ایسا بھی ہُوا کہ کئی کئی نوجوان لڑکیاں جیلوں میں ٹھونسی گئیں اور انہیں سزائیں دی گئیں کیونکہ حکام کو یہ پتہ چل جاتا تھا کہ یہ لڑکیاں راتوں کو دیر تک جاگتی رہتی ہیں اور ان رسالوں کو نقل کرتی ہیں اور پھر انہیں لیٹر بکسوں میں ڈال دیتی ہیں یا اسکولوں کی کلاسوں میں بکھیر آتی ہیں۔

اسپارٹا میں جلاوطنی | بدیع الزماں کے رسائل اور ان کی جماعت جو آن کی آن میں قوت پکڑ گئی اور مختلف علاقوں میں پھیل گئی، مصطفیٰ کمال کے لیے ایک لادینی معاشرہ وجود میں لانے کے راستے میں پہلا روڑا ثابت ہوئی۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال نے بدیع الزماں کو اسپارٹا کے ایک دُور اُفتادہ علاقہ بارلا میں جلاوطن کر دینے کے احکام صادر کر دیے۔ وہاں موصوف کو شدید پہروں کے ساتھ یکہ و تنہا رکھا گیا۔ مگر بدیع الزماں کی پُرکشش شخصیت نے خود پہرہ داروں کے دلوں میں اُترنا شروع کر دیا اور تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ پہرہ داروں کا ایک گروہ آپ کی دعوت کا حامی اور آپ کے اسلامی نظریات کا علمبردار ہو گیا۔ اس موقع سے موصوف نے فائدہ اٹھایا اور اپنے اُن رسائل کی تصحیح میں وقت گزارنے لگے جو تلامذہ کی طرف سے اُن کے پاس پہنچتے رہتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے الحاد و لادینیت کے خلاف بھی بھرپور تنقیدیں تیار کیں

بدیع الزمان پر دوسرا مقدمہ | بدیع الزمان نے "بارلا" کے قید خانے میں آٹھ سال گزارے ۔ جیل میں موصوف اپنا کھانا خود ہی تیار کرتے تھے ۔ خود ہی اپنے کپڑے دھوتے تھے اور دوسرے تمام امور خود ہی سرانجام دیتے رہے مصطفیٰ کمال نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا ۔ چونکہ بدیع الزمان کے قلبِ حق پرست سے اٹھنے والی دینی شعاعیں برابر لوگوں کے اندر بکھر رہی تھیں اور ان کے رسائل کی اشاعت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی ۔ اس لیے مصطفیٰ کمال نے بذریعہ حکم بدیع الزمان کو اور ان کے ۱۲۰ طلبہ کو سخت پہروں کے ساتھ "اسکی شہر" کی جیل میں منتقل کروا دیا ۔ اور وہاں ان پر ایک خفیہ تنظیم کے قیام اور حکومت کا تختہ الٹنے کے الزام میں مقدمہ دائر کر دیا طویل تحقیقات کے بعد حکومت کو کوئی ایسا ثبوت نہ ملا جو موصوف پر عائد شدہ الزامات کو درست قرار دے سکے ۔ اس کے باوجود عدالت نے موصوف کو ۱۱ ماہ قید کی سزا دی ۔

اس مقدمے میں بدیع الزمان نے عدالت کے سامنے جو حیرت انگیز بیانات دیئے ہیں اگر رسالہ کے صفحات اجازت دیتے تو انہیں کامل طور پر نقل کر دیا جاتا ۔ لیکن تنگیٔ مقام کی وجہ سے ذیل کے چند فقرات پر اکتفا کیا جاتا ہے :

"حاکمانِ محترم ! مجھے یہاں اس الزام میں لایا گیا ہے کہ میں قدامت پرست ہوں ۔ دین کے پردے میں امنِ عامہ میں خلل ڈالتا ہوں ۔ میری عرض ہے کہ کیا کسی فعل کے ممکن الوقوع ہونے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ وہ ضرور وقوع پذیر بھی ہوگا لہٰذا اس پر سزا کا فیصلہ کر ڈالا جائے ۔ مثلاً دیا سلائی کے اندر ایک گھر کو جلا دینے کا امکان پایا جاتا ہے لیکن اس امکانِ محض سے کسی جرم کے ارتکاب کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا اسی طرح تعلیمات چاہے جو اثر بھی رکھتی ہوں لیکن ان میں میرا انہماک صرف رضائے الٰہی کیلئے ہے ۔ اس کے ماسوا اور کوئی غرض پیشِ نظر نہیں ہے "

"آپ پوچھتے ہیں کہ کیا میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تصوف کے سلسلوں کا شغل رکھتے ہیں ؟ میری عرض یہ ہے کہ ہمارا یہ زمانہ ایمان کی حفاظت کا زمانہ ہے ۔ تصوف کے کسی سلسلے کی حفاظت کا زمانہ نہیں ہے ۔ ایسے لوگ تو بہت ہیں جو جنت میں کسی سلسلے کے ساتھ وابستگی رکھے بغیر داخل ہو جائیں گے لیکن کوئی شخص ایمان کے بغیر جنت میں داخل نہ ہو سکے گا "

"آپ پوچھتے ہیں: اپنے ارد گرد جو جماعت تم نے جمع کر رکھی ہے اس کو جمع کرنے کے لیے تمہارے پاس روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ لیکن میں یہ سوال کرنے والوں سے پوچھتا ہوں ان کو ایسی دستاویزات کہاں سے مل گئی ہیں جن سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ میں نے کوئی تنظیم قائم کر رکھی ہے اور میں ایسی سرگرمیاں جاری کیے ہوئے ہوں جن کے لیے روپے کی حاجت لاحق ہوتی ہے؟"

"آپ حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں جو کچھ کام کر رہا ہوں وہ سرکاری حیثیت سے نہیں ہے۔ اور درس و تدریس کے کام کے لیے حکومت کا ایک خاص محکمہ مقرر ہے لہٰذا پہلے مجھے اس سے لائسنس حاصل کرنا چاہیے۔ لیکن میں گزارش کروں گا: اگر تمام قبروں کے دروازے مقفل کر دیئے گئے ہوتے، اور موت کا وجود دنیا سے معدوم کر دیا گیا ہوتا تب درس و تدریس کی اجازت کا انحصار صرف تمہارے محکمہ پر درست ہوتا۔ مگر یہ ۳ ہزار جنازے (اپنے فداکار ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ہر روز موت کے دروازہ پر دستک دے رہے ہیں اور موت کے فیصلے کے منتظر ہیں . . . . یہاں دوسرے بہت سے فرائض و واجبات ادا کرنے باقی ہیں جو اُن کاموں سے زیادہ اہم ہیں جو تمہارے محکمے کے پیشِ نظر ہیں۔"

کاستامونی میں نظر بندی بدیع الزماں کی مدتِ قید ختم ہی ہوئی تھی کہ آپ کو "کاستامونی" کے صوبہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ کاستامونی دور افتادہ شہر ہے اور بحرِ اسود کے ساحل پر واقع ہے۔ کاستامونی میں آپ کو پولیس اسٹیشن کے بالمقابل ایک مقام میں رکھا گیا۔ آپ اس حالت میں بھی برابر مختلف اسلامی موضوعات پر اپنے خیالات کو پیش کرتے رہے۔ اور ملتِ اسلامیہ کو اکساتے رہے کہ اس الحاد و بے دینی کے سیلاب کے مقابلے میں مسلمان اپنے دین کو ہرگز ترک نہ کریں۔ نوجوان طبقے سے اپیل کرتے رہے کہ اُسے اسلام اور قرآن سے ناواقفیت کی بنا پر اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں باندھنی چاہیے۔ آپ کے رسالے اور پمفلٹ بلاناغہ خفیہ طور پر آپ کے شاگردوں کے ہاتھوں تک پہنچتے رہے اور

وہ انہیں کثیر تعداد میں نقل کر کے دوسروں تک ڈاک کے ایسے نظام کے تحت پہنچاتے رہے جو خود اُن کا اپنا قائم کیا ہُوا تھا۔ ان رسائل کی جلوہ افروزیاں یونیورسٹیوں سے لے کر فوج کے کیمپوں اور سرکاری محکموں تک ممتد تھیں۔ ان تمام حلقوں میں رسائلِ نور مختلف ذرائع و وسائل سے غیر محسوس طور پر بکھر جاتے تھے۔

مصطفیٰ کمال کی بدحواسی آخر کار مصطفیٰ کمال نے ایوانِ حکومت میں ایک زلزلہ محسوس کیا۔ اور رسائلِ نور کے اثرات کو دیکھ کر مخبوط الحواس ہو گیا، حالانکہ یہ رسائل سیاسیات سے قطعاً کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ بایں ہمہ اُسے اپنی حکومت کو شدید خطرہ اور اپنے اقتدار کو نمایاں دھچکا محسوس ہونے لگا۔ اور اُسے پورا اندازہ ہو گیا کہ دلوں کے اندر قرآن کے نور اور اسلام کے حقائق کا جڑ پکڑ لینا ہی اس غرض کے لیے کافی ہے کہ اسلام کے خلاف جو سیاسی منصوبہ بنایا جائے، جو سازش تیار کی جائے اور جو تدبیر سوچی جائے وہ درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ مصطفیٰ کمال نے ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا اور اُس میں فری میسن کے ان نامور لیڈروں کو مدعو کیا جنہوں نے خلافتِ اسلامی کا قصر مسمار کرنے اور اُس کے کھنڈروں پر سیکولر حکومت قائم کرنے کے لیے غیر معمولی کردار ادا کیا تھا۔ اس اجلاس میں غور و خوض کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ بدیع الزمان پر دوبارہ خفیہ تنظیم قائم کرنے اور انقلابی حکومت کو نقصان پہنچانے اور مصطفیٰ کمال کو دجّال کہنے کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔

بدیع الزمان کے رسائل کی جانچ پڑتال اس فیصلہ کے فوراً بعد فری میسن لیڈروں پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا اور اس کے سپرد بدیع الزماں کے رسائل کی جانچ پڑتال کا کام کیا گیا۔ لیکن بدیع الزمان نے اس بورڈ سے مقاطعہ کا اعلان کیا اور کہا جو شخص کسی نظریہ کو تسلیم ہی نہ کرتا ہو وہ اس کے بارے میں کسی قسم کی تحقیقات کا اہل نہیں ہے۔ اس کے بجائے موصوف نے تحقیقات کے لیے یورپ کے غیر جانبدار فلاسفر و مفکرین کو بلانے کا مطالبہ کیا۔ اور بالآخر موصوف کا یہ مطالبہ حکومت کو تسلیم کرنا پڑا۔ چنانچہ غیر جانبدار افراد پر مشتمل ایک اور کمیٹی بنائی گئی جس نے موصوف کے رسائل کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ یہ رسائل خالص مذہبی مضامین پر مشتمل ہیں۔

اور کسی قسم کی حزبیت اور سیاست سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مگر مصطفیٰ کمال اور ان کے ساتھیوں نے مزید الزام یہ تراشا کہ بدیع الزمان اپنی مخصوص سیاسی اغراض کو پورا کرنے کے لیے مذہبی لیڈرشپ کا سہارا لے رہا ہے۔ لیکن وہ اس الزام کو ثابت کرنے میں بھی ناکام و خاسر رہے کیونکہ اس انسان کی زندگی ہر قسم کے عیش و تنعم کے مظاہر اور زیادت و ترفع کی حرص سے کوسوں دور تھی۔ عدالت نے اس مرتبہ بھی طویل مقدمہ بازی اور بسیار لیت و لعل کے بعد تمام الزامات سے بری قرار دے دیا۔ براءت کا اعلان ۱۶ر جون ۱۹۴۴ء کو ہوا۔

انکوائری بورڈ کے سامنے موصوف کے پُراثر بیانات اس تمام مقدمہ بازی میں حکومت کو اُلٹا نقصان پہنچا۔ موصوف نے انکوائری بورڈ کے سامنے جو بیانات دیئے تھے انہوں نے ملک کے اندر غیر معمولی اثرات ڈالے۔ ان بیانات سے مسلمان عوام کے دلوں میں ایک ایسی برقی رو دوڑ گئی جس نے دلوں کے اندر ایمان و جہاد کے شعلے فروزاں کر دیئے اور انہیں اسلام اور دعوتِ حق کی راہ میں ہر تکلیف و اذیت ہیچ نظر آنے لگی۔ اور جیل اپنی فتنہ سامانیوں کے باوجود جماعتِ نور کی نگاہ میں ــــ جس کی تعداد ان ایام میں دس لاکھ مرد و عورت سے بڑھ گئی تھی ــــ تکلیف و عذاب اور رنج و محن کا گھر نہیں بلکہ ان کی اصطلاح میں "یوسفی تربیت گاہ" قرار پا گئی اور وہاں ہر شخص داخل ہونے اور سندِ فراغت حاصل کرنے کو باعث سعادت سمجھنے لگا۔

ذیل میں موصوف کے ان اہم بیانات کے چند فقرے نذرِ قارئین ہیں:

"جی ہاں، ہم ایک جمعیت ہیں، یہ وہ جمعیت ہے جو ہر دور میں ۳۰ کروڑ افراد پر مشتمل رہی ہے، یہ ۳۰ کروڑ ارکان ہر روز ۵ مرتبہ اپنی جمعیت کے مقدس دستور سے کامل وابستگی و وفاداری کا اعلان کرتے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ اس جمعیت کے سب سے اہم شعار کو قائم کرنے کے لیے مسابقت کرتے رہتے ہیں۔ وہ شعار ہے: انما المومنون اخوۃ۔ پس ہم اس عظیم و مقدس جمعیت کے ارکان ہیں۔ ہمارا کام مومن بھائیوں کو قرآن کے حقائق و احکام سے پختہ طور پر متعارف کرانا ہے۔ اور ہماری یہ خدمت اس بنا پر ہے

کہ یہ ہمیں آخرت کی ابدی جیل سے نجات دلائے گی"

"تم لوگ رسالۂ نور کی تحریک کس بنیاد پر روک سکتے ہو، حالانکہ یہ تحریک سراسر قرآن کے حقائق و احکام کی خدمت ہے۔ اور قرآن ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جو خدائے برتر کے عرشِ عظیم سے مربوط ہے۔ اور وہ کون احمق ہے جو ایک ایسی حقیقت سے سر ٹکرانا چاہتا ہے جو عرشِ عظیم سے مربوط ہو"

"میرے اس بیان کے مخاطب صرف عدالت کے ارکان ہی نہیں بلکہ میرا روئے سخن اسپارٹا کے سازشی گروہ کی طرف بھی ہے۔ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں پر تو سیاسی مکر و فریب اور خفیہ تنظیمیں چلانے کا الزام دھرا جاتا ہے جو آپس میں قرآن کے تحیّہ کو رواج دیتے ہیں، قرآن کے بیانات و معجزات کو پھیلاتے ہیں مگر ڈاکٹر دوزے جیسے ملحد کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ پوری بے حیائی اور ہٹ دھرمی کے ساتھ قرآن اور اس کے حقائق پر افترا پردازی کرتا رہے بلکہ اُس کی افترا پردازیوں کو ایک مقدس کام سمجھا جاتا ہے اور اسے فکر و رائے کی آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تو ہے فکر و رائے کی آزادی مگر قرآنی انوار کو ۔۔ جو اُن کروڑوں مسلمانوں کے دلوں تک پہنچ رہیں گے جو قرآن کے دستور سے وابستہ ہو چکے ہیں ۔۔۔ خطرے کی گھنٹی کہا جاتا ہے۔ اور اُن پر شر، خیانت اور سیاست اور اس طرح کی تمام گالیوں کی بوچھاڑ کی جاتی ہے"

"تم مجھے جمہوریہ ترکیہ سے بغاوت کا الزام دیتے ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ طالب علمی کے زمانے سے میرا یہ معمول ہے کہ جب میرے سامنے روٹی اور سالن آتا ہے تو اس میں سے میں جب اپنا حصّہ کھالیتا ہوں تو بقیہ چیونٹیوں کی ٹولیوں کو ان کی اجتماعیت پسندی کی قدردانی اور اُن کی اخوت و تنظیم کے احترام میں پیش کر دیتا ہوں۔ اس عادت سے آپ ایک صالح جمہوری نظام سے میری محبت و گرویدگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں بلکہ صحیح جمہوری نظام کو میں جس حد تک مقدس و پاکیزہ گردانتا ہوں اُس کی سب سے بڑی

دلیل یہ ہے کہ مجھے خلفائے اسلام سے بے پناہ عقیدت ہے۔ یہ بزرگ لوگ خلفاء ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جمہوری ریاست کے صدر بھی ہوتے تھے۔ اور ان کی زندگیاں محض زبانی جمع خرچ کی حد تک نہیں بلکہ حقیقت و واقعہ میں صحیح جمہوریت کا نمونہ ہوتی تھیں۔"

"رہا سیکولر جمہوریت کا معاملہ، تو ہمیں بتایا گیا ہے کہ سیکولر جمہوریت وہ ہوتی ہے جو دین سے کسی نوعیت کا بُرا یا بھلا تعرّض نہ کرے۔ لیکن تم لوگوں نے — جو سیکولر جمہوریت کے علمبردار ہو — ہر قسم کی غنڈہ گردی، اخلاقی بدکاری، اور وجدان و فکر کی آزادی کی آڑ میں خدا اور کائنات پر طرح طرح کی افترا پردازی کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اور جب کبھی قرآن کی کسی آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے اور اس کے حقائق و رموز بیان کیے جاتے ہیں تو تم واویلا مچانے لگتے ہو کہ "یہ خفیہ تنظیم ہے، یہ سیاسی شغل ہے، یہ ملک و ملت کے لیے خطرہ ہے"۔ تمہارے نزدیک یہ کام "انتہائی خطرناک" اور "مجرمانہ" ہے کہ تم لوگ اسے سیکولرازم کی آڑ میں دبانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اگر یہی بات ہے تو جان لو کہ اگر میرے پاس ہزار جانیں بھی ہوں تو میں ان ہزار جانوں کو بھی کائنات کی اہم ترین حقیقت یعنی دین حق کی راہ میں نچھاور کرنے میں دریغ نہ کروں گا۔ اور تمہاری ستمرانیوں کے مقابلے میں میرے لیے ایک ہی محفوظ پناہ گاہ ہے اور وہ ہے "حسبنا اللہ و نعم الوکیل"۔"

"تم سر مٹکا مٹکا کر کہتے ہو: میری مذہبی سرگرمیاں موقع پرستی پر مبنی ہیں اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کے لیے ہیں۔ لیکن میں جواب میں کہوں گا: تمہارا یہ دعویٰ خود موقع پرستی پر مبنی ہے اور امن عامہ کے تحفظ کی آڑ میں دین کو ملیا میٹ کرنے کے لیے ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ رسائل نور ۲۰ سال سے ضوفشانی کر رہے ہیں لیکن کیا ان ۲۰ سالوں کے اندر تم کوئی ایک واقعہ بھی پیش کر سکتے ہو جس سے امنِ عامہ کو نقصان پہنچا ہو۔ معلوم ہوا کہ دستور کی تحفظِ امن عامہ سے متعلق دفعہ نمبر ۱۶۳ ایک ایسے گیند سے عبارت ہے جسے جدھر چاہو تم پھینک سکتے ہو۔ اور تمہاری چاہت بھی صرف ایک ہے اور وہ ہے یہاں سے

دینِ حق کو کسی نہ کسی طرح سے ختم کرنا۔ اے دین کو دنیا کے عوض بیچنے والو! اور اے کفرِ صریح میں غرق ہو جانے والو، اللہ نے مجھے جتنی کچھ قوت عطا کی ہے میں اُس کے بل پر تم سے صاف کہتا ہوں: تم جو کچھ کر سکتے ہو کر لو، ہماری آخری آرزو یہ ہے کہ ہم اسلام کے حقائق میں سے ایک معمولی حقیقت کی خاطر بھی اپنے سر کٹوا دیں۔"

"ہم ہر لحظہ سزائے موت کے احکام کے منتظر ہیں۔ موجودہ صورت حال میں خارجی جیل ہمارے لیے اندرونی جیل سے سو گنا زیادہ تکلیف دہ ہے۔"

"تم الزام دیتے ہو: تو نے بیس سالوں میں ایک مرتبہ بھی ہمارا ہیٹ نہیں پہنا . . . اور تو نے ایک مرتبہ بھی ہماری عدالت کے احترام میں اپنے سر کو ننگا نہیں کیا حالانکہ ۴ملین افراد اس لباس کو اختیار کر چکے ہیں۔ لیکن میں کہوں گا: یہ ۴ملین افراد نہیں ہیں نہ ۴ملین ہیں بلکہ ایک قلیل تعداد بھی ایسے لوگوں کی نہیں ہے جنہوں نے محض اپنی مرضی سے اسے پہنا ہو۔ چند مٹھی بھر احمق ہیں جنہوں نے اسے دل سے قبول کیا ہے۔ یہ لوگ یورپ کی ہر رذالت اور گراوٹ پر رال ٹپکانے والے ہیں۔"

"میرے جیسا آدمی، جو بیس سال سے اجتماعی زندگی سے کنارہ کش ہے۔ اس پر اس طرح کے عناد کا الزام نہیں دھرا جا سکتا۔ اور اگر فرض کر و یہ روش مبنی بر عناد بھی ہے تو جب خود مصطفیٰ کمال میرے عناد کا زور نہیں توڑ سکا اور روءِ عدالتیر، اور تین صوبوں کی حکومتیں مجھ پر اثر ڈالنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں تو تم کون ہو جو یہاں اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

تحقیقاتی عدالت نے بدیع الزماں کو بے گناہ ثابت کر دیا۔ لیکن بایں ہمہ موصوف جیل میں پڑے رہے اور کچھ عرصہ کے بعد صوبہ "آفیون" کے تعلقہ "امیر ضاغ" میں ان کو جلا وطن کر دینے کے احکام صادر ہوئے۔ اور وہاں ان پر کڑی نگرانی اور سخت پہروں کے انتظامات کیے گئے۔ لیکن تقدیر الٰہی کی کرشمہ سازیاں انسانی استبداد کی تدبیروں پر خندہ زن ہو رہی تھیں۔ تمام پہروں کے باوجود موصوف

کے شاگردوں کا آپ کے ساتھ برابر رابطہ قائم رہا۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ ان شاگردوں کے پہلے گروہ میں ان لوگوں کی ایک تعداد بھی تھی جو نذکورہ بالا عدالتوں کے جج تھے۔ اور دورانِ مقدمہ موصوف سے متاثر ہوئے تھے۔ موصوف کے عدالتی بیانات اور زیرِ تحقیقات رسائل نے خود عدلیہ کے ارکان پر اس قدر اثر ڈالا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لوگ موصوف کے ارشد تلامذہ کی صف میں شامل ہو گئے اور دعوتِ اسلامی کے سب سے سرگرم پرچارک بن گئے۔

تحریکِ نور کا شدید دباؤ اور رسائل نور پر پابندیوں کا خاتمہ | بدیع الزماں ۱۹۴۷ء تک امیر ضاغ میں جلاوطنی کے ایام گزارتے رہے جہاں فوج کا سخت پہرہ ہوتا تھا اور چوری چھپے ہی ان سے کوئی شخص مل سکتا تھا لیکن بعد میں ترکی حکومت نے شاگردوں کو آپ سے ملنے جُلنے کی عام اجازت دے دی۔ اور آپ کے رسائل کی طباعت و اشاعت پر سے بھی پابندیاں اُٹھائیں۔ حکومت کے موقف میں اس اہم تبدیلی کی وجہ یہ ہوئی کہ جماعتِ نور کو ملک کے اندر غیر معمولی فروغ ہو گیا۔ اور اس کے متوسلین سرکاری محکموں اور دفاتر تک میں کثیر تعداد میں پیدا ہو گئے۔ چنانچہ تحریک کے دباؤ کے تحت حکومت کو "قانون اتاترک" کے اندر تعلیم اور مذہبی سرگرمیوں سے متعلق قوانین میں ترمیمات کرنی پڑیں اور اُس تشدد و تعصب کو کم کرنا پڑا جو "قانونِ اتاترک" میں تھا۔

بدیع الزمان کا ایک انقلاب انگیز خط | مذہبی تعلیم اور مذہبی آزادی کے لیے حکومت پر جماعتِ نور کی طرف سے یکایک دباؤ ڈالا گیا اور یہ دباؤ ایک تند و تیز تحریک کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کا محرک دراصل بدیع الزمان کا ایک خط تھا جسے موصوف نے جیل سے اپنی جماعت کی وساطت سے حکومت کے نام بھیجا تھا۔ اور اس میں تین عدالتوں کی طرف سے بری ٹھیرائے جانے کے باوجود اپنی شہری آزادیوں کے بلا وجہ سلب کیے جانے پر شدید احتجاج کیا تھا۔ اس رسالہ میں موصوف نے ایک مقام پر لکھا تھا:

> "یہ چند گذارشات میں حکومت کی وساطت سے انقرہ اور انقرہ والوں کے کانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ جب مدعی ہی منصف ہو تو پھر اپیل و دلیل کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ میں اس دھاندلی پر مدت سے انگشت بدنداں ہوں ... آج میں — جبکہ

میں آزاد بھی ہوں اور پابند بھی۔ ان ایّام کی نسبت بہت زیادہ قلق و اضطراب میں ہوں جب میں کلیتہً نذرِ زنداں تھا۔ آج کا ایک دن میری سابقہ قیدِ تنہائی کے ایک سال سے بھی زیادہ مجھ پر سخت گزر رہا ہے۔ شدید سردی کے ہجوم میں اس ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود مجھے ہر چیز سے محروم رکھا جاتا ہے۔ میں پورے بیس سال سے جیل و جلا وطنی کے المیہ سے دوچار ہوں۔ اب مزید ایسے عذاب و تشدد کا دوام اللہ تعالیٰ کے عذابِ عام کو دعوت دے کر ہی رہے گا۔"

"موجودہ حکومت کا سب سے اہم انسانی فرض یہ ہے کہ وہ میرے انسانی حقوق کا جن سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا، تحفظ کرے۔ کیونکہ حکومت میری بیس سالہ تصنیفات کی پورے ۹ ماہ تک جانچ پڑتال کرانے کے بعد میری براءت کو ماننے پر مجبور ہوئی ہے۔ لیکن یہاں کچھ ایسے خفیہ ہاتھ کام کر رہے ہیں جن کے پیشِ نظر اجنبی نفوذ کی خدمت اور دین و وطن کی بنیادوں کا انہدام ہے۔ یہ ہاتھ مجھے مجرم ٹھہرانے کے لیے اور میری زبان کاٹنے کے لیے رائی کا پہاڑ بنانے سے بھی نہیں گریز کرتے۔ ان کی ایک ہی خواہش ہے، وہ یہ ہے کہ میرے صبر کا پیمانہ چھلک پڑے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں: "بس اتنی سزا میرے لیے کافی ہے"

"آج مجھے ــ میری بیس سالہ محبوسیت کے باوجود ــ تمام انسانی حقوق سے محروم کر دینا اس دور کا سب سے بڑا گناہ ہے اور ظلم و ستم کی سب سے سخت قسم ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ کچھ ذمہ دار افراد نے حکومت کو مجبور کیا ہے کہ وہ میرے لیے مذہبی الاؤنس مقرر کر دے۔ ان حضرات کا شکریہ! لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ میرے لیے ہر چیز سے زیادہ عزیز و اہم ادائے فرض کی آزادی ہے۔ یہی میرے دستورِ زندگی کی سب سے پہلی دفعہ ہے۔"

من گھڑت الزامات اور جھوٹے پروپیگنڈے کی بنا پر میری آزادی کا سلب کر لیا جانا میری

(باقی صفحہ ۲۵۰ پر)

اس امر پر مطمئن کر دینے کے لیے کافی ہے کہ مولانا مودودی نے اس مسئلے میں کوئی بات بھی ایسی نہیں کہی جو جادۂ حق اور مسلک سلف سے ہٹی ہوئی ہو، یا جس میں معاذ اللہ توہین رسالت کا ادنیٰ احتمال بھی پایا جاتا ہو۔ (غ ۔ ع)

بقیہ مضمون

بدیع الزمان کی شخصیت و دعوت

زندگی کو انتہائی طُول کر رہا ہے خواہ میں اس کے بعد کتنے ہی الاؤنس حاصل کروں اور کتنے ہی عیش و تنعم میں رہوں۔ اس حالت میں تو میں جیل اور قید پر ایک تاریک و وحشت ناک قبر کو پسند کروں گا۔ لیکن یہ سب اذیتیں اگر مجھے اپنی اس دعوت کی خاطر برداشت کرنا پڑ رہی ہیں جس کے لیے قضا و قدر نے مجھے مقرر کیا ہے تو امید ہے خدائے ذوالجلال مجھے مزید صبر و ثبات سے نوازے گا۔"

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ مجھ پر کوئی ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اور وہ میری براءت کا فیصلہ بھی صادر کرتے ہیں تو ان کا یہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے میری آزادی کو بحال کریں اور اس پر کوئی ناروا پابندی نہ لگائیں۔ میں روٹی اور پانی کے بغیر تو جی سکتا ہوں لیکن آزادی کے بغیر نہیں جی سکتا۔"

"بے شک جس شخص نے ۹ سال صرف ۲۰۰ ترکی لیروں (ترکی سکہ) پر گزارے ہوں اور کبھی صدقہ و خیرات اور دریوزہ گری سے اپنے چہرے کا پانی نہ بہایا ہو اور کبھی زکوٰۃ و تحائف سے تعرض نہ کیا ہو اُس شخص کے متعلق یہ جان لینا کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ آج روپے سے زیادہ آزادی کا محتاج ہے۔"

"انسانوں سے میل جول کے انقطاع کا مجھے نعم البدل حاصل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ

لاکھوں مسلمان رسائلِ نور کا مطالعہ کرتے ہیں اور مجھ سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اگر اربابِ حکومت لوگوں کے سامنے میری زبان بندی کر سکتے ہیں تو ان رسائل کی زبان بندی نہیں کر سکتے جو براہِ لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں پہنچتے ہیں اور اُن سے محوِ تکلم ہوتے ہیں۔ ہر رسالہ گفتگو اور مذاکرہ میں میرا قائم مقام ہے اور اُسے دنیا کی کوئی طاقت چُپ نہیں کرا سکتی۔"

ترکی حکومت نے جونہی جماعتِ نور کو اپنے رہنما سے ملنے جُلنے کی اجازت دی اور اُن کی کتابوں اور رسالوں پر سے پابندیاں اٹھائیں، نوری تحریک اطرافِ ملک میں سیلاب کی طرح پھیل گئی اور اُس کی شعاعیں وطن سے باہر پاکستان اور ہندوستان تک بھی پہنچ گئیں۔ بدیع الزماں کے رسالے ہر شہر ہر گاؤں ہر مسجد، ہر مدرسے اور ہر یونیورسٹی تک پھیل گئے بلکہ اکثر اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہزارہا کی تعداد میں ہوائی جہازوں کے ذریعے لوگوں کے سروں پر برسنے لگے۔ اور ان کو برسانے والے وہ فوجی افسر تھے جو تحریکِ نور سے وابستہ ہو گئے تھے۔

بدیع الزماں اور تحریکِ نور پھر معرضِ ابتلاء میں | حکمرانوں کے دلوں میں پھر اضطراب برپا ہو گیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اب سیلابِ نور ان کو بھی لپیٹ میں لے لیگا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ الحاد اور لادینیت کی بساط روز بروز حیرت انگیز سرعت کے ساتھ لپٹتی جا رہی ہے۔ اور ترکی کا پڑھا لکھا اور صاحبِ دماغ طبقہ (علماء اور ادباء سے لے کر مفکرین اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر تک) جوق در جوق بدیع الزماں کی دعوت کو قبول کرتا جا رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی حکمران گروہ ایک مرتبہ پھر بدیع الزماں پر ٹوٹ پڑا۔ بدیع الزماں اور ان کے نمایاں پیروؤں کی کثیر تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور انہیں صوبہ آفیون کے ہائی کورٹ میں سابقہ الزامات کے تحت ہی پیش کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۹۴۸ء میں پیش آیا۔

یہ مقدمہ ترکی میں ۱۹۴۸ء کا اہم ترین واقعہ تھا۔ اخبارات و رسائل کے کان بدیع الزماں کے بیان اور مقدمے کا فیصلہ سننے پر لگے ہوئے تھے۔ اس مقدمہ کی رُوداد اور بدیع الزماں کا بیان اور موصوف کے دوسرے ساتھیوں اور شاگردوں کے بیانات جن پر اسی عدالت میں مقدمات چلائے گئے، ایک ضخیم کتاب میں "مقدمہ آفیون" کے نام سے بعد میں شائع ہوئے۔

اس مقدمہ میں عدالت نے بدیع الزمان کے بارے میں ۲۰ ماہ قید کا فیصلہ سنایا۔ حالانکہ وکلاء اور ججوں کی بہت بڑی تعداد نے اس مقدمہ کی قانونی حیثیت ہی کو چیلنج کر دیا تھا کیونکہ یہ مقدمہ انہی الزامات کے تحت دائر کیا گیا تھا جن کے تحت موصوف پر پہلے مقدمہ کیا جا چکا تھا اور عدالتیں انہیں بے گناہ ثابت کر چکی تھیں اور انہی الزامات کے تحت دوبارہ انہیں مجرم گردانے کا کوئی قانونی جواز نہ تھا۔ چنانچہ اس فیصلہ کو کورٹ آف اپیل میں لے جایا گیا لیکن کورٹ آف اپیل اس مقدمہ پر نظر ثانی کرنے میں برابر ٹال مٹول کرتا رہا، یہاں تک کہ ۲۰ ماہ کی مدت ختم ہو گئی۔ حکومت بھی یہی چاہتی تھی کہ بدیع الزماں اور عوام کے درمیان رکاوٹ حائل کر دے اور ان کی دعوتی سرگرمیوں کو منجمد کر دے۔

بدیع الزماں کی وفات اس طویل کشمکش کے بعد موصوف عمر کا بقیہ حصہ لوگوں سے الگ تھلگ اسپارٹا میں بسر کرتے رہے اور اپنی وفات سے صرف تین روز پہلے اسپارٹا سے باہر قدم رکھا۔ آپ اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ ایک چھوٹی سی موٹر میں اسپارٹا سے اورفہ روانہ ہوئے۔ آپ کی نقل و حرکت پر پابندی تھی مگر آپ نے اسپارٹا سے نکلتے وقت پولیس سے کسی قسم کی کوئی اجازت نہ لی۔ آپ ابھی اورفہ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ فوج کے ایک دستے نے آپ کو روک لیا اور واپس اسپارٹا جانے کا حکم دیا لیکن آپ نے موٹر میں بیٹھے ہوئے انہیں اطمینان سے یہ کہا: "آثار ایسے ہیں کہ میں آپ کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کر سکتا لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اورفہ میں دو دن سے زیادہ نہیں ٹھیروں گا"۔ یہ سن کر فوجی دستہ واپس چلا گیا اور آپ اورفہ میں داخل ہو گئے۔ اور دو ہی روز کے بعد دنیائے اسلام نے بدیع الزمان نورسی کی وفات کی خبر سن لی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وفات ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ کو ہوئی۔

بدیع الزمان کے اخلاق و عادات سعید نورسی اپنے علم و فضل کے باوجود لکھنے کی مشق نہ رکھتے تھے۔ بڑی مشکل اور محنت سے کوئی چیز لکھ سکتے تھے۔ اسی لیے بالعموم اپنی کتابوں اور رسالوں کو املاء کے ذریعے قلمبند کرواتے تھے۔ موصوف نے شادی نہیں کی اور تمام عمر تجرد میں گزاری۔ آپ سے جب تجرد کی زندگی اختیار کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: "میں جس قلق و اضطراب کی زندگی بسر کر رہا ہوں اس میں

رفیقۂ حیات کے حقوق ادا کرنا مشکل ہے"۔ بدیع الزماں کا یہ جواب بالکل درست تھا۔ موصوف نے اپنی تمام زندگی جلاوطنی، جیل اور تنہائیوں میں بسر کی ہے۔ آپ صدقات و خیرات اور تحائف سے زندگی بھر دور رہے۔ ایک مرتبہ پاکستان کی وزارتِ تعلیم کے سیکرٹری نے آپ کو مالی مدد پیش کی لیکن آپ نے اُسے قبول کرنے سے معذرت کردی اور کہا "اس سے میری زندگی کا وہ اصول جسے میں آج تک نبھاتا چلا آرہا ہوں ختم ہوجائے گا۔ اس زمانے میں اہلِ علم اور داعیانِ اسلام پر سب سے بڑی تہمت یہ تراشی جاتی ہے کہ یہ لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں۔ میں ایسی تہمتوں کا قلع قمع کرنے پر مامور ہوں اور میرے پاس جو شخص بھی کچھ لے کر آتا ہے اُسے معذرت سے مسترد کردیتا ہوں"۔ سیکرٹری صاحب نے آپ کو پاکستان ہجرت کرآنے کی دعوت دی جہاں آپ کی دعوت اور کام کی غیر معمولی قدر ہوسکتی تھی اور آپ عذاب کی زندگی سے بھی نجات پاسکتے تھے۔ مگر آپ نے فرمایا: "عالمِ اسلامی کے جسم میں جو مرض گھس چکا ہے اس کا سرچشمہ یہی ملک ہے۔ لہٰذا ہماری کے سرچشمہ سے ہٹ کر کوئی کوشش سُودمند نہ ہوگی۔ عالمِ اسلامی کے بگاڑ کا اصل منبع ترکی ہے۔ یہاں ہی صیہونی منصوبے وجود میں آتے ہیں۔ اشتراکی افکار پروان چڑھتے ہیں اور فری میسن کی سازشوں کے جال بُنے جاتے ہیں۔ یہ بے وفائی ہوگی کہ میں اس اہم ملک کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جاؤں"۔

موصوف جماعتِ نُور کو برابر تلقین کرتے رہتے تھے کہ وہ اس تحریک اور تحریکی لٹریچر کو میرے نام سے منسوب نہ کریں۔ فرمایا کرتے تھے: "یہ طریقہ حقیقت کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوگا۔ لازوال حقیقت کسی شخصیت کے کندھوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ تمہیں آگاہ رہنا چاہیے کہ میں محض ایک مُنادی ہوں اور لوگوں کے سامنے قرآن اور قرآن کے معجزات جو ہر زمانے میں قائم و دائم رہنے والے ہیں، کی ندا لگانے والا ہوں۔ یہ بہت بڑی غلطی ہوگی کہ اس عظیم پیغام کا مجھے مظہر اور قائد ٹھیرا دیا جائے۔ یہ اس لیے بھی غلط ہے کہ میری ذات ہر وقت تہمتوں اور تنقیدوں اور ایذا رسانیوں کا نشانہ بنی رہتی ہے اور جب مجھ پر کوئی تہمت چسپاں ہوگی تو اس سے رسائلِ نور کی قیمت بھی کم ہوگی اور وہ بھی متہم ہوں گے۔ محض اس وجہ سے کہ ان کا تیار کرنے والا میں ہوں۔ رسائلِ نور کو میری فانی ذات سے منسلک کرکے ان کو نقصان نہ

پہنچاؤ۔ ان کو ان کے اصل منبع سے منسلک کر دو جو ہر نوع کی دست درازی سے بالا ہے۔

بدیع الزماں نے اپنے رسائل میں جو مختلف وصیتیں کی ہیں اُن میں سے آپ کی ایک وصیت یہ بھی ہے کہ آپ کا سلام شام کے علمائے کبار کو پہنچایا جائے اور اُن سے درخواست کی جائے کہ وہ تحریک نور کو بھی اپنے مدارس کی اور اپنی دعوتِ اسلامی کی ایک شاخ تصور کریں اور اس کو اپنی تائید سے مشرف کریں۔ اور صرف ترکی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں اسلام کو الحاد و لادینیت کے حملوں سے بچانے کی خاطر اس کی طرف توجہ کریں اور اسے ہر ممکن طریقے سے پروان چڑھائیں۔

ضروری اعلان

دفتر ترجمان القرآن میں پچھلے سالوں کے چند پرچے برائے فروخت موجود ہیں ضرورتمند حضرات کی سہولت کے لیے ان کی قیمت میں پچاس فیصد رعایت کر دی گئی ہے۔ قائم رکھنے کے خواہشمند حضرات فوری توجہ فرمائیں۔

۱- جون ۴۸ء	جلد ۳۱	عدد ۲	۱۰- مارچ ۵۰ء	جلد ۳۳	عدد ۴
۲- جولائی ″	″ ″	″ ۳	۱۱- اپریل ″	″	″ ۵
۳- اگست ۴۸ء	″ ″	″ ۴	۱۲- مئی ″	″	″ ۶
۴- ستمبر ″	″	″ ۵	۱۳- جون ″	جلد ۳۴	″ ۱
۵- جون و جولائی ۴۹ء	جلد ۳۲	″ ۱، ۲	۱۴- جولائی تا ستمبر	″ ″	″ ۲، ۳، ۴، ۵
۶- اگست ۴۹ء	″ ″	″ ۳	۱۵- اکتوبر ۵۰ء	″ ″	″ ۶
۷- ستمبر ۴۹ء	″ ″	″ ۴	۱۶- نومبر ۵۰ء	جلد ۳۵	عدد ۱
۸- نومبر ″	″ ″	″ ۶	۱۷- دسمبر ۵۰ء	″ ″	″ ۲
۹- دسمبر- جنوری ۴۹-۵۰ء	جلد ۳۳	″ ۱، ۲، ۳	۱۸- مارچ اپریل ۵۱ء	″ ″	″ ۵-۴-۱